''شاعروں کا جمعہ بازار''

قطبِ شمالی کے سائے میں ایک ملک ہے جس کا نام ''کناٹا'' Canata ہے،اس میں ایک شہر Hogtown ہے، جس میں ایک قصبہ Cabbage Town بھی ہے۔ Hogtown کا ترجمہ تو ہم احتراماً نہیں کر رہے، لیکن Cabbage Town کو شاید ''کرم کلہ'' کھانے والوں کا شہر کہا جا سکتا ہے۔ آپ اس شہر اور اس قصبہ کے بارے میں معلومات خود تلاش کریں اور سوچیں کہ یہاں ان کا ذکر کیوں ضروری ہوا۔ ہماری تحریر کا ان سے براہِ راست تعلق ہے کیوں کہ اس ملک، اس شہر، اور اس قصبہ کے نواح میں جو ہوا، یا ہوتا رہتا ہے اسی پر آج بات چیت ہوگی۔

اگر اب سے پہلے کناٹا میں مقیم یا کہیں بھی مقیم اردو شاعروں نے ہمارے ''سابقہ عزیز'' اور معروف مصنف مشرف علی فاروقی کا انگریزی زبان میں لکھا گیا معرکتہ الآرا مضمون Of Mercenaries and Men of Letters سمجھ کر پڑھ لیا ہوتا تو ہمیں اس تحریر کا وہ عنوان لگانے کی ضرورت نہ ہوتی جسے پڑھ کر اب نہ صرف کناٹا کے کچھ اردو شاعر بلکہ شاید کئی عالمی شہرت یافتہ اردو شاعر بھی ہمارے ''سابقہ عزیز'' ہو جائیں گے۔ مشکل یہ ہے کہ کناٹا میں مقیم اردو شاعر بلکہ اردو زبان کے بہت سے شعرا اور نقاد انگریزی تو انگریزی، اردو بھی نہیں پڑھتے۔ جو لوگ یہ مضمون پڑھنا چاہیں وہ اسے پروفیسر عمر میمن کے Annual of Urdu Studies میں پڑھ سکتے ہیں جہاں یہ دائمی حوالے کے طور پر محفوظ ہو چکا ہے۔ شمارہ شاید گیارھواں ہے۔

جو واقعہ یہاں پیش آیا اور جسے راوی نے قسمیہ بیان کیا ہے وہ یوں ہے کہ ''کرم کلہ کھانے'' والوں کے شہر کے نواح میں ایک غیر عالمی مشاعرہ منعقد ہوا۔ دنیا میں اکثر اردو مشاعروں کا سلسلہ یوں ہے کہ جیسے ہی کسی مشاعرہ کی افواہ بھی پھیلتی ہے، شاعر اور متشاعر اپنی بیاضیں اور بچے سنبھالے ناظمانِ مشاعرہ کو یا ان کے دوستوں کو ڈھونڈنے نکل پڑتے ہیں، تاکہ مشاعروں میں ان کی شرکت یقینی ہو سکے۔ اکثر ناظمانِ مشاعرہ یہ جانتے بھی ہیں اور اس کوشش میں بھی رہتے ہیں کہ ان کے مشاعرے میں سینکڑوں شاعر پڑھنے آ جائیں گے اور ان کا مشاعرہ اتنا بڑا ہوگا کہ اس کا ذکر Guiness Book میں آ کر دائمی شہرت حاصل کر لے گا۔

سو واقعہ جسے راوی نے قسمیہ بیان کیا ہے یوں ہے کہ، Hogtown کے اس مشاعرہ کے ایک ''ناظم'' نے ایک معروف شاعر کو یہ کہہ کر یاد دلایا کہ ''آپ شاعروں کے جمعہ بازار میں تو تشریف لا رہے ہوں گے جس کی فہرست میں آپ کا نام بھی چھپ چکا ہے''۔ وہ شاعر تو ''شاعروں کے جمعہ بازار'' کی اصطلاح سنتے ہی کپکپا گئے اور انہوں نے لرزتے ہوئے ''ناظمِ مشاعرہ'' سے معذرت کر لی۔ بہت ممکن ہے کہ اس مشاعرے کے سرکردہ منتظمین کو اس گفتگو کا علم ہی نہ ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ بھی ایسا ہی سوچتے ہوں۔

یہ اصطلاح اور یہ رویہ بلاؤں کی وہ پٹاری کھولتا ہے جو نہ ہی کھلے تو بہتر ہے۔ لیکن بقول شخصے جب اوکھلی میں سر دیا تو موصلوں کا کیا ڈر سو جو بات منہ سے نکل کر پرائی ہو جاتی ہے وہ دور تک چلتی چلی جاتی ہے۔ جو شاعر ''شاعروں کے جمعہ بازار'' کی اصطلاح پر چراغ پا ہو رہے ہوں گے انہیں تو یہ بھی پتہ نہیں ہوگا کہ اس قسم کے ''ناظمین'' تو یہ بھی کہتے ہیں کہ شاعروں کا کیا ہے وہ تو بریانی کی ایک پلیٹ پر ہی غزل سنانے دوڑے چلے آتے ہیں۔ بلکہ وہ تو مشاعروں کے ٹکٹ اپنے لیئے بھی اور اپنے سامعین کے لیئے بھی اپنے ہی کیسہ سے دینار و درہم نکال کر خریدتے ہیں تاکہ عالمی اور غیر عالمی مشاعروں میں ان کی شرکت یقینی ہو سکے۔

شاعروں کے مشاعروں میں ٹکٹ خرید کر شعر پڑھنے پر ایک واقعہ اور یاد آ گیا۔ چونکہ داغ کی اردو کی دھوم تو سارے جہاں میں پھیلی ہوئی ہے سو مشرقِ وسطیٰ کے ایک ملک میں جو روایات کا ریگستان بھی ہے، ایک بار ایک مشاعرے کا غلغلہ ہوا جو ایک بڑی پاکستانی ثقافتی انجمن نے منعقد کرنے کی کوشش کی تھی۔ مشاعرے میں شرکت کے لیئے پاکستان کے سفیرِ کبیر کو مہمان خصوصی کے طور پر مدعو کیا گیا تھا۔ مشاعرہ ریگستانِ روایت کے دارالخلافہ کے ایک پنج ستارہ ہوٹل میں رکھا گیا تھا، جس میں شرکت کا ٹکٹ بھی کافی مہنگا تھا۔ ٹکٹ کی مہنگائی کا بہانہ یہ تھا کہ کسی ورائٹی پروگرام کے متبادل اس مشاعرے میں تماشبینوں کی ضیافت بھی ہوگی۔ مشاعرہ کے اعلان کے بعد شعرا کو دو ہدایتیں دی گئیں، ایک تو یہ کہ چونکہ پاکستان کے سفیر وہاں آئیں گے تو شاعر اپنا کلام پہلے سے منظوری کے لیئے منتظمین و ناظمین کے ذریعہ سفارت خانے بھجوا دیں، اور دوسرا یہ کہ مشاعرے میں شرکت کے لیئے ٹکٹ خرید لیں۔ منتظمین میں کچھ شاعر بھی تھے جنہوں نے یہ پیغام کمالِ جرائت سے شعرا تک پہنچائے۔ لیکن جب یہ بات ایک فقیر شہر شاعر تک پہنچی تو وہ گرما کے مثلِ صاعقہء طور ہو گیا، اور اس نے پیغام پھیلا دیا کہ جو شاعر بھی اس مشاعرہ میں ٹکٹ خرید کے گیا اسے آئندہ اس ریگزارِ ادب کی کسی محفل میں مدعو نہیں کیا جائے گا، اور سفیر پاکستان کو پیشگی کلام بھیجنے والوں کا حقہ پانی بند ہو جائے گا۔ اب سے پچیس سال پہلے کے زمانہ میں ایسے کئی شاعر تھے جنہیں آبروئے شیوہء اہلِ نظر عزیز تھی سو ان سب نے مشاعرہ میں شرکت سے معذرت کر لی۔ ناظمین و منتظمین یہ سمجھ کر انٹر کونٹینٹل ہوٹل میں انتظار کرتے رہے کہ کچھ بوالہوس تو وہاں پہنچیں گے، لیکن جب کوئی کھانے کے بعد تک بھی تماشہ گاہ میں نہیں پہنچا تو یہ اعلان کیا گیا کہ شاعر کچھ ناگزیر وجوہات کی بنا پر وہاں نہیں

آپائے سومشاعرہ منسوخ ہوتا ہے۔

مشرف علی فاروقی نے اپنے مضمون کا اختتام کرتے ہوئے لکھا تھا کہ مشاعرے ہماری مسلسل روایت کی ایک کڑی ہیں، انہیں پیشہ ور منتظمین اور ناظمین کے ہاتھوں میں چھوڑ دینا نہایت ہی افسوسناک امر ہے۔ مشرف فاروقی کو شاید یہ یاد نہیں رہا کہ دلی کے آخری مشاعرے کے بعد مشاعرے کی روایت نہ صرف بگڑ چکی ہے بلکہ اکھڑ چکی ہے۔ اب تو حال یہ ہے کہ مشاعروں میں سے اجمل سراج جیسے خوش خیال شاعر کی مشکیں کس کے بوری میں بھر کر اغوا کیا جاتا ہے، اور جون ایلیا جیسے نادرہ جو، مرنجان مرنج، لیکن باکمال شاعر کو مشاعرہ کے اسٹیج سے اٹھا کر پٹخ دیا جاتا ہے۔ اب جس جس شاعر کو بھی جان و دل عزیز ہیں اس نے مشاعرہ گاہوں کے کوچوں میں جانا ترک کر دیا ہے۔

پاکستان کی حد تک تو ایک زمانہ تھا کہ وہاں کے مدارس میں، کلیات میں، جامعات میں معیاری مشاعرے برپا ہوتے تھے، اور چنیدہ شاعر مدعو کیئے جاتے تھے اور انہیں نذرانے بھی دیئے جاتے تھے۔ پھر بھارت سے خبریں آنے لگیں کہ وہاں دسیوں ہزاروں کی تعداد والے سامعین کے سامنے بڑے بڑے شعرا اپنا کلام سناتے تھے۔ رفتہ رفتہ ممتاز شاعر اور اعلیٰ ادبی حس رکھنے والے سامعین ان مشاعروں سے رخصت ہوتے گئے اور مشاعرہ سستی تفریح کا تماشہ بن گیا۔ اب وہاں شاعری سے زیادہ ہنگامہ خیزی اور پھکڑ بازی عام ہوتی جارہی ہے۔ پاکستانیوں نے بھی کچھ عرصہ تک بھارت والوں کی سُنّت میں اپنے ہاں بھی بڑے بڑے مشاعرہ کرنے کی کوشش کی لیکن وہ مشاعرے بھی صرف کراچی تک محدود رہ گئے، اور یہ سلسلہ لاہور اور دیگر بڑے شہروں میں جم نہیں سکا۔

ہم نے بات کرم کلہ کھانے والوں کے شہر کے نواح میں برپا ہونے والے جس مشاعرے سے شروع کی تھی، ہم خود تو وہاں نہیں گئے تھے۔ لیکن وہاں اور بھی کئی ایسے شاعر نہیں گئے تھے جنہیں اپنی پگڑی ''شاعروں کے جمعہ بازار'' کے ناظم کے قدموں میں رکھنے سے گریز تھا۔ سو وہ اپنی ہی نوا سے ہم کلام ہوتے رہے، اور یہ تیغ اپنے ہی لہو میں نیام کرتے رہے۔

سنا تو یہ بھی گیا ہے کہ اس مشاعرے میں بھی ٹکٹ لگا تھا۔ خبر نہیں کہ شاعروں نے ٹکٹ خریدے کہ نہیں لیکن وہاں بیسیوں شاعر، علامہ اقبال کی پریوں کی طرح قطار اندر قطار کھڑے پائے گئے تھے۔ جو شاعر کناٹا کے پڑوسی ملک سے آئے تھے، انہیں یہی شاعر غنیمت لگے اور ان کی شاعری کی بنیاد پر انہوں نے کناٹا میں اردو شاعری کے معیار کا جو اندازہ لگایا ہوگا، وہ خود ان کے اپنے معیارِ ادب پر منحصر ہے۔ ہم داد و ستد کے ایسے کھرے کب ہیں کہ کسی کے ذوقِ ادب پر انگلی اٹھا سکیں۔

اتنی خبر ہمیں ضرور ہے کہ اس مشاعرے میں اور ایسی کسی بھی مشاعرے میں جس میں داخلے کا ٹکٹ لگا ہوتا ہے، بسا اوقات شعرا کو اور خصوصاً 'مقامی' شعرا کو کوئی نذرانہ نہیں دیا جاتا۔ ایک لحاظ سے یہ اچھا بھی ہے ورنہ سب کو یہی کہنا پڑتا کہ 'غالب وظیفہ خوار ہو دو شاہ کو دعا، وہ دن گئے کہ کہتے تھے کہ نوکر نہیں ہوں میں'۔ اگر نذرانہ مل گیا ہوتا وہ 'ناظم' جو کسی شاعر کو ''شاعروں کے جمعہ بازار'' میں مدعو کر رہے تھے، ان سے چاکری بھی کروا رہے ہوتے، اور پاؤں بھی دبوا رہے ہوتے، اور آئندہ انہیں یہ کہنے کا موقع بھی مل جاتا کہ صاحب، ہمارے Hogtown کے شاعر تو ہمارے مشاعرے میں شرکت کے لیے ہمارے پاؤں تک دباتے ہیں۔

ہم نے اس تحریر میں آپ کو، شعرا کو، سامعین کو، اور ناقدین کو اردو ادب کی ایک اعلیٰ روایت کو درپیش احوال اس لیئے پیش کیا ہے کہ شاید آپ اور سب مل کر ایسی کوئی کاوش کریں کہ جس کے نتیجہ میں اہلِ ادب کو اور دنیا بھر میں بکھرے ہوئے اردو شعرا کو خود احتسابی کرنے کا خیال آجائے، اور ہم، شعرا، ادب دوست، اور نقاد، مل بیٹھ کر اردو شعر و ادب کے اس وقار کی تجدید کرنے کے بارے میں سوچیں جو روز بروز زوال پذیر ہے۔ ہم نے تو اپنی سی کوشش کر لی اور جون صاحب کا یہ شعر یاد کر کے رو لیئے کہ، کون سا قافلہ ہے یہ جس کے جرس کا شور ہے، میں تو نڈھال ہو گیا، ہم تو نڈھال ہو گئے۔

ہمیں یقین ہے کہ جب تک یہ تحریر آپ تک پہنچے گی، ہم پر بارشِ سنگِ دشنام ہو رہی ہوگی۔ سو اس بارے میں آپ فکر مند نہ ہوں، اب سے پہلے بھی ہمارے تخلص سے قافیہ باندھ کر کے ہمیں 'حرامی' بھی کہا گیا، ہے برف خانے کا چمار بھی، اور یہ خبر بھی پھیلائی گئی ہے کہ یہ شخص تو سارقِ اعظم ہے، اور جانے کہاں کہاں سے لوٹ مار کے بعد Hogtown میں آن بسا ہے۔ اب چونکہ یہ باتیں پرانی ہو چکی ہیں تو ہو سکتا ہے کہ کچھ نئی گالیاں ایجاد ہوں، اور کچھ نئی الزام تراشی ہو۔ دشنام طرازوں کی نہ تو رسم نئی ہے اور نہ ریت۔ لیکن ہم بھی اٹل ہیں کہ وہ اپنی خو نہ چھوڑیں گے ہم اپنی وضع کیوں بدلیں۔ ہم نے اپنے جی میں ٹھانی اور ہے۔